© rasailojaraid.com

صحبتے با اہل علم

سید محمد کفیل بخاری
سید ذوالکفل بخاری

وحدت امت کی اساس مذہب، مسلک اور مشرب نہیں!

صرف اور صرف "دین" ہے

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم **قاری محمد سالم قاسمی** ایک یادگار علمی نشست دار بنی ہاشم میں!

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی قدس سرہ کے فرزند اور دارالعلوم (جدید) دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد سالم قاسمی مدظلہ دسمبر ۱۹۹۱ء میں بھارت سے پاکستان تشریف لائے تو دیگر شہروں کی طرح ملتان کو بھی قدم بوسی کا شرف بخشا ان کا قیام جامعہ خیر المدارس میں تھا۔ جس کے بانی استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ کا آپس میں محبت واخوت کا مثالی تعلق تھا۔ قیام پاکستان سے قبل مدرسہ خیر المدارس جالندھر کے سالانہ جلسہ میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ ہندوستان بھر کے علماء، مشائخ تشریف لایا کرتے، اس معاملہ میں حضرت مولانا خیر محمد رحمہ اللہ کا مذاق بہت بلند تھا اور کسی ہما شما کا ان کے جلسہ میں خطاب کرنا بہت مشکل تھا۔ مولانا خیر محمد رح کو اپنے شیخ و مرشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے بعد اگر کسی سے قلبی محبت و انس تھا تو ان میں حضرت قاری محمد طیب رح اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سب سے نمایاں ہیں۔ وہ بہت کم کسی کی تقریر سنتے مگر قاری صاحب رح اور شاہ جی رح کی تقاریر بڑے التزام اور اہتمام سے سنتے۔ یہاں تک کہ حضرت امیر شریعت کی جماعت مجلس احرارِ اسلام کے شعلہ نوا مقرروں کو بھی اپنے جلسہ میں خطاب کی دعوت دیتے۔ اس لئے کہ احرار کی خطابت مسلّمہ تھی۔ ان کی اس شفقت سے اُس وقت بھی بہت سے کم ظرف ترساں و نالاں رہتے اور بغض و حسد کی آگ میں جل کر راکھ ہو جاتے۔ اس قبیل کے لوگ ہر دور میں پائے جاتے ہیں اور ان کی عمر جلنے سے راکھ ہو جانے تک ہی ہوتی ہے اور بس!

خیر المدارس جالندھر کے ایک جلسہ میں "قاری صاحب" کی تقریر تھی اور ایشیاء کے سب سے بڑے خطیب "امیر شریعت" گوش بر آواز تھے۔ شاہ جی کا کہنا تھا "تقریر کیا تھی علم و عرفان کی بارش تھی۔ تشنہ لب اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس بارش کے ایک ایک قطرے سے سیراب ہو رہے تھے۔ بڑی سے بڑی بات انتہائی سادہ سلیس اور شگفتہ انداز میں عام لوگوں کے قلوب و اذہان پر نقش کرنا انہی کا خاصہ تھا۔ علماء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ قاری صاحب کی تقریر کے دوران شاہ جیؒ نے داد و تحسین کا مینہ برسا دیا اور فرمایا "قاری صاحب" نہیں قاسم نانوتویؒ کی روح بول رہی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ جتنی مرتبہ پاکستان تشریف لائے تو حضرت شاہ جیؒ سے ملاقات کئے بغیر واپس نہ لوٹتے۔ خصوصاً جب حضرت قاری صاحبؒ، مولانا خیر محمدؒ اور شاہ جیؒ مل بیٹھتے تو مجلس لطائف علمیہ سے منور ہو جاتی۔ ع

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں۔

حضرت قاری صاحبؒ جب آخری مرتبہ پاکستان تشریف لائے تو حضرت شاہ جیؒ اور مولانا خیر محمدؒ رحلت فرما چکے تھے۔ وہ ملتان میں آئے تو اپنے رفقاء کی جدائی نے انہیں ملول کر دیا۔ اب ان کے چہرے پر رونقِ غم عیاں تھی۔ لیکن بڑے لوگ بھی کیا لوگ ہوتے ہیں۔ محبت کی ریت نبھانا بھی بڑوں کا کام ہے۔ ملتان کے ایک دینی مدرسہ (خیر المدارس نہیں) میں آئے تو حضرت امیر شریعتؒ کے گھر جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ یہ سنتے ہی کچھ حاسدین کی جبینوں پر پسینہ آ گیا اور تملقانہ انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا "حضرت! شاہ جیؒ کے بیٹوں میں سے شاید کوئی بھی گھر پر نہیں" اس پر قاری صاحب نے جو تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا وہ محبت و اخوت کے تذکروں میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"اجی! اماں تو گھر میں ہوں گی اور ہاں! وہ مکان بھی تو اسی جگہ واقع ہے"

یہ کہہ کر وہ اٹھے اور سیدھے شاہ جی کے گھر شاہ جیؒ کے فرزند سید عطاء المؤمن بخاری سراپا استقبال تھے۔ اور دیدہ و دل راہ میں فرش کئے جاتے تھے۔ حضرت قاری صاحب نے سب سے پہلے فرمایا اماں سے میرا سلام کہیئے۔ انہوں نے مغرب کی نماز اسی بیٹھک میں پڑھائی جہاں انہوں نے اور شاہ جی نے اکٹھے نماز پڑھی تھی وہ یہاں کچھ دیر ٹھہرے مگر اپنے حسن عمل سے ہمارے دلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھہر گئے۔ اللہ اللہ! کیا خورد نوازی ہے۔ اور کیا نسبتوں کا پاس ہے۔ سبحان اللہ!

اللہ بھلا کرے "قاری محمد سالم قاسمی صاحب کا جنہوں نے "اس حسن عمل" کو زندہ رکھا کہ محبت و اخوت کی وہ کڑی ٹوٹنے نہ پائے جس کی بنیاد ان کے عظیم والد نے رکھی تھی۔ وہ دارِ بنی ہاشم میں اس لئے تشریف لائے کہ یہاں شاہ جیؒ کے تین فرزند (سید عطاء المحسن سید عطاء المؤمن اور سید عطاء المہیمن) قیام پذیر ہیں اور حضرت امیر شریعتؒ کے مکان پر بھی تشریف لے گئے۔ جہاں جانشینِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری مدظلہ رہائش پذیر ہیں ۔ انہوں نے ہر دو مقامات پر " اماں جی " کی وفات پر اظہارِ تعزیت کیا (جن کا ۶ جون ۱۹۹۱ء میں انتقال ہوا) دارِ بنی ہاشم میں ایک مقامی اخبار نویس کے بعض سوالات کے انہوں نے جو جوابات ارشاد فرمائے انہیں نقیبِ ختم نبوت کے نائب مدیر سید محمد ذوالکفل بخاری صاحب نے قلم بند کر لیا۔ جو من وعن ہدیہ قارئین ہیں ۔ البتہ ایک دوسری نشست میں مولانا سید عطاء المحسن بخاری سے گفتگو کے دوران جو کچھ ارشاد فرمایا وہ ہم کسی دوسری اشاعت میں ہدیہ قارئین کریں گے ۔ ان شاء اللہ ۔!

سوال : آپ کے ملک (بھارت) اور ہمارے ملک (پاکستان) کے حالات آپ کے سامنے ہیں ۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا ذہن آج کے مسائل کے حل کے لئے اتحادِ امت کی طرف جاتا ہے ۔ آپ یہ فرمائیں کہ اتحادِ امت کی پہلی کڑی کس طرح اور کہاں سے جوڑی جائے ؟

جواب : سوال آپ کا اہم اور بنیادی ہے ۔ میں سمجھتا ہوں اس کا جواب دینے کے لئے اگر سوال کی ترتیب پلٹ دی جائے تو بات بہتر طریقے سے سمجھائی جا سکے گی ۔ غور طلب اور حل طلب مسئلہ جو موجود ہے اور سوال جو ہونا چاہیئے وہ یہ کہ ہمارے اختلافات کی بنیاد کیا ہیں اور انہیں مٹایا کیونکر جا سکتا ہے ۔ اسی کے جواب میں اتحادِ امت کا راستہ موجود ہے ۔ میں عرض کروں گا کہ مسلمانوں کی وحدت اور یکجہتی کے لئے بنیاد فراہم ہوتی ہے صرف اور صرف دین سے ! جب دینِ اسلام کو ہم بطور ضابطۂ حیات اپناتے ہیں تو ہمیں اعتقادی ، اخلاقی ، آئینی ، سماجی ، انفرادی ، اجتماعی ..... ہر اعتبار سے ایک کامل رہنمائی میسّر آجاتی ہے ۔ دین نام ہے قرآن وسنت کی کامل اطاعت اور اتباع کا ! ہم دیکھتے ہیں کہ دینِ اسلام اپنی عملی صورت میں دورِ نبوی ؐ میں اور دورِ صحابہؓ میں نافذ و مؤثر رہا اور ہمارے اختلافات کی وہ شکلیں جو آج ختم ہونے میں نہیں آتیں ، ان مقدس ابتدائی ادوار میں ہمیں نظر ہی نہیں آتیں ۔ سبب اس کا یہی ہے کہ صحابۂ کرام اور قرونِ اولیٰ کے اکابرِ دین میں علمی اور عملی رسوخ پیدا کرتے تھے ۔ دین کو ہمیشہ مقدم رکھتے تھے ۔ دین کو " کُل " کے طور پر مانتے اور سیکھتے تھے ۔ نتیجۃً جن برکات و ثمرات اور جس علمی و عملی تفوّق سے وہ لوگ مالا مال تھے تاریخ اس پر گواہ ہے ۔ اسلام نے ثابت کیا کہ وہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ، آفاقی اور الہامی دین ہے اور اس پر عمل کرنے سے معاشرے میں ایسے تمام نظام فراہم کئے جا سکتے ہیں جن سے عدل وانصاف اور خدمتِ انسانی مثالی انداز سے ممکن ہو ۔ پھر بعد میں (مختصراً عرض کروں گا) بنو عباس کے دورِ حکومت میں مختلف اسباب کے تحت علمی اور عملی زوال کا آغاز ہوا تو تب دینی احکام و مسائل کی حفاظت اور تنفیذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وتشریح کے لئے فقہی مکاتب سامنے آنے لگے اور علماء وفقہاء (رحمۃ اللہ علیہم) کی پیہم کاوشوں سے روبہ زوال دینی تشخص کو اس قدر سنبھالا ملا کہ امت فقہائے اربعہ پر مجتمع ہو گئی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ مذاہب اربعہ کی پیروی کی جانے لگی تو اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ترجیح مذہب کو مل گئی۔ پھر آپ دیکھیں کہ بات یہیں پر رُک نہیں گئی بلکہ جہاں معاملاتِ زیست میں دینی رہنمائی مذہبی نقطۂ نظر سے قبول کی جاتی تھی وہاں بعد میں شخصی نقطۂ نظر کو اتنی زیادہ پذیرائی ملی کہ مسالک پیدا ہونے لگے۔ ہمارے خطہ میں تو خصوصاً یہی ہوا اور پھر اس کے بعد نوبت بایں جا رسید کہ ہم سب نے یہ دیکھا کہ ہر شخص کے ذاتی ذوق کی رعایت سے مشرب پیدا ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ حالانکہ اگر آپ غور فرمائیں تو واضح ہو گا کہ مذہب اور مسلک ہیں تو دینی اصول، عقائد، نصوص، مسلمات، شعائر اور مسائل اپنی اصل حیثیت میں بہر طور مسلّم تھے۔ لیکن اب مشرب ہیں تو محض کسی کا ذاتی ذوق معیار بن گیا تو گویا آج ہماری فکری و نظری اور عملی و علمی ترجیحات کاملاً بدل چکی ہیں اور ان کے بدلنے سے اختلاف، انتشار، افتراق کے راستے تو پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں لیکن اتحاد کا کوئی راستہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ اگر آپ اتحادِ امت چاہتے ہیں تو سیدھی سی بات ہے آپ کو طے کرنا ہو گا کہ مذاہب، مسالک اور مشارب بہر حال دین کا بدل نہیں ہیں۔ لہٰذا ہماری اوّلین ترجیح دین ہی بن سکتا ہے۔ جب تک ترجیحات کا درست تعین نہیں ہوتا، اختلاف ختم نہیں ہو سکتے اور اختلاف کے خاتمہ کے بغیر اتحادِ امت ممکن نہیں ہے۔

سوال: جو کام آپ نے تجویز فرمایا وہ کون کرے گا؟ علماء یا کوئی اور؟ آخر اس کا آغاز کیسے ہو گا؟

جواب: اولاً تو علماء ہی اس کی بنیاد فراہم کر سکتے ہیں اور ہمارے خطے کے علماء کو خصوصاً اس کی تدبیر کرنی چاہیئے باہم مل کر۔

سوال: کیا علماء اس کے اہل ہیں؟

جواب: جہاں تک اہلیت کا سوال ہے تو اس کے دو رُخ ہیں۔ ایک رخ تو یہ ہے کہ آج کے ہمارے علماء بھی اس اختلاف امت کے ذمہ دار ہیں۔ بلکہ انہوں نے سیاسیات میں الجھ کر اختلافات کو نئے نئے رنگ دے دیئے ہیں۔ سیاست کوئی شجرِ ممنوعہ نہیں۔ ہمارے اسلاف نے سیاست کی ہے لیکن اس سے ان کا مقصد ہمیشہ دینی حاکمیت، دینی عمل داری اور دینی مفادات کا تحفظ ہوتا تھا۔ جب کہ جدید سیاست کا خاصہ ہی حرص و ہوس ہے اور آج کل مذہبی جماعتوں کی سیاست اکثر و بیشتر محض سیاست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی ہے۔ دوسرا رخ علماء کی اہلیت جو ہے اس کا تعلق اس تلخ حقیقت سے ہے کہ آج ہمارے ہاں قوم کے بچا نوے فی صد ذہین اور خوش حال بچے سکولوں اور کالجوں میں بھیج دیے جاتے ہیں۔ اور ہمیں دینی مدارس میں آنے والوں کو ان کی استعداد اور صلاحیت سے کہیں بڑی ذمہ داریوں کا اہل بنانا پڑتا ہے۔ اب ان میں سے ظاہر بات ہے کہ رجالِ کار قوم کی توقعات کے مطابق سامنے نہیں آتے۔ ایک واقعہ آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ہمارے والد صاحب حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۳۹ء میں افغانستان تشریف لے گئے۔ وہاں وزیر اعظم افغانستان مرحوم ہاشم خان صاحب نے ان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آج دارالعلوم دیوبند سے واپس آنے والے فارغ التحصیل افغانیوں میں وہ علمیت اور وہ دینی تدبّر نہیں جو اسلافِ دیوبند کے شاگرد افغانیوں میں تھا۔ انہوں نے حضرت قاری صاحب سے یہ بھی کہا کہ ماضی میں ہماری حکومت کے مشیر مولانا منصور انصاریؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ ایسے بزرگ رہے ہیں جب کہ آج ہمیں ان کے پائے کا بزرگ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ اگر جواب سننا پسند کریں تو میں صرف یہ کہوں گا کہ ماضی میں آپ افغانستان سے دارالعلوم دیوبند میں جس قسم کے طلبہ بھیجتے تھے، آج ویسے ذہین اور ذکی طلبہ آپ یورپ، جرمنی، فرانس وغیرہ میں بھیج رہے ہیں۔ اگر آج بھی دارالعلوم دیوبند میں ویسے ہی دماغی اہلیتوں کے حامل طلبہ آئیں تو ان شاء اللہ نتیجہ بھی ویسا ہی خوش کن ملے گا۔ اور یہ تو ایک واقعہ تھا۔ میں عرض کروں گا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آج سے چودہ سو سال پہلے فرما دیا تھا کہ دین والوں کا زوال تب ہو گا جب علمِ دین کے دروازے ہر کہ و مہ پر کھول دیے جاویں گے۔ مطلب یہ کہ بدون استعداد و لیاقت اور بغیر مناسبت کے ہر کسی کو اگر آپ علمِ دین کا وارث بنا ڈالیں تو یہ مفید نہیں بلکہ بہت مضر ہو گا اور اس کے شواہد آپ کے سامنے موجود بھی ہیں[1]۔

---

[1] سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب دو شعروں میں بھی یہی مضمون ہے۔

وَجَدتُّ العِلمَ فِی الاَشرَافِ عَظمًا
وَفِی الاَجلَافِ مَقبُوحًا وَّ ذَمًّا
کَمَاءِ المَطَرِ فِی الاَصدَافِ دُرًّا
وَفِی فَخرِ الاَفَاعِی صَارَ سَمًّا

میں نے شرفاء میں علم کو باعظمت دیکھا اور کمتر لوگوں میں قبیح و مذموم پایا
جیسے بارش کا پانی کہ سیپ میں موتی بن جاتا ہے، اور سانپ کے منہ میں زہر

© rasailojaraid.com